مثنوی رومی میں ذکر رسولؐ

(دفتر پنجم)

خواجہ حمید یزدانی

تعداد اشعار کے لحاظ سے مثنوی مولانا رومؒ کا دفتر پنجم تیسرے نمبر پر آتا ہے لیکن پہلے چار دفاتر کی نسبت اس دفتر میں حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ذکر سعادت اثر کسی قدر کم آیا ہے ۔

اس دفتر کے شروع میں[1] اس حدیث مبارکہ ''الکافر یا کل فی سبعۃ امعاء والمومن فی معاء واحد'' کا سبب ورود بیان ہوا ہے ۔ اس میں فخر موجودات کو پیغمبرؐ ، شاہؐ ، سلطانؐ راد ، دستگیر شاہان و عباد ، اور سلطان عبس[2] کے الفاظ و القاب سے یاد کیا گیا ہے ۔

۱۔ کافر سات انتڑی بھر کھاتا ہے اور مومن ایک انتڑی بھر کھاتا ہے ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احادیث مثنوی ۲۱۵ ، ۲۱۶ ۔

۲۔ یہ اشارہ ہے سورۂ عبس کی طرف ۔ جس کی پہلی چار آیات کا ترجمہ اس طرح ہے ، تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس سے کہ آیا اس کے پاس اندھا اور کس چیز نے معلوم کروایا تجھ کو شاید کہ وہ پاک ہو جاتا یا نصیحت سنتا پس فائدہ دیتی اس کو نصیحت ۔ ۔ ۔ مولانائے روم کی طرح اس دور کے مترجمین و مفسرین نے بھی تیوری چڑھانے کے واقعہ کو حضور رحمۃ للعالمینؐ سے منسوب کیا ہے ، لیکن مولانا غلام مرشد سابق خطیب شاہی مسجد لاہور کو اس سے اختلاف ہے ۔ انہوں نے حکیم الامت علامہ اقبال سے اپنی ایک ملاقات کے ضمن میں اس پر اس طرح روشنی ڈالی ہے ''ایک دفعہ (سورہ نمبر ۸۰ آیت نمبر ۱ تا ۱۲) قرآن کریم کو منگوا کر اور سامنے رکھ کر ان کا ترجمہ فرما کر حکم دیا کہ ان کے مشہور ترجموں اور تفسیروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک دن حضور

قصہ اس طرح ہے کہ ایک موقع پر چند کفار شام کے وقت مسجد میں سرور کونین ؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور ؐ بڑے مہمان نواز ہیں ۔ ہم بے نوا بڑی دور سے آئے ہیں ہم پر

صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم رؤسائے قریش کو پیغام خداوندی پہنچا رہے تھے تو اتنے میں ابن ام مکتوم آ گئے اور انہوں نے آپ کی توجہ کو اپنی طرف پھیرنا چاہا جسے حضور علیہ السلام نے ناپسند کیا ۔ خاکم بدہن خدا تعالیٰ نے اس ناپسندیدگی پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ۔ خاکسار (یعنی غلام مرشد) نے عرض کیا اس سورۃ کی آیتوں میں سے چند آیتوں میں ضمیر غائب کا مرجع مفسرین نے حضور کی ذات گرامی کو بنا دیا اور پھر جو ان میں خطابات کے صیغے ہیں ان کا مخاطب حضورؐ کو بنا دیا تو قصہ بن گیا ۔ خاکسار نے عرض کیا کہ آپ (حکیم الامت) بتائیں کہ اس سورۃ کی کسی آیت میں حضورؐ کے نام یا لقب کا تذکرہ ہے ۔ (علامہ نے) فرمایا کہ نہیں ۔ تو خاکسار نے عرض کیا کہ پھر حضورؐ کو اس کا مصداق کس دلیل پر ٹھہرایا گیا 'برا منایا ، منہ پھیر لیا' آخر کس سے ؟ در اصل اُن غائب ضمیروں کا مرجع (سورہ نمبر ۶۹ آیت نمبر ۳۷ ، ۳۸ ، ۴۳ ، ۴۶) دین فروش اور زر پرست انسانوں کا تذکرہ ہے اور یہ غائب ضمیریں انہیں شخصوں کی طرف جاتی ہیں ، ایسے لوگ بے کس مزدوروں ، جو حق کی تلاش میں ان کے پاس آتے ہیں ، ان کا آنا ان کو یعنی رؤسا کو ناگوار گذرتا تھا اور مخاطب بھی وہی ہیں ۔ اور ان میں عبوس ، تولی، تصدی اور تلہی کے جو افعال آئے ہیں ، حضورؐ تو نسل انسانی کو ان قبیح افعال سے روکتے ہیں اور خاکم بدہن یہی افعال آپ میں موجود تھے۔ عبوس کے معنی ہیں ترشروئی ، سختی سے پیش آنا ، تولی کے معنی روگردانی۔۔۔ تصدی لا یعنی بات کرنا اور تلہی کسی کا مذاق اڑانا ۔ فعل کو دیکھ کر فاعل متعین کیا جاتا ہے ۔ یہ افعال تو حضورؐ کے دشمنوں اور کافروں کے تھے ، جنہیں حضور ؐ روکنے کے لیے آئے تھے ۔ چنانچہ بدترین کافروں کے اوصاف یہ بیان کئے ہیں کہ وہ قرآن کریم کو سن کر تیوریاں چڑھاتے ہیں اور پھر پیٹھ پھیر جاتے ہیں اور اپنے تکبر میں مست ہو کر حق پرستوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں (سورہ نمبر ۷۴ آیت نمبر ۲۲-۲۳ ، پارہ ۲۹ ، رکوع ۱۵) ۔ ۔ ۔ انہیں گیارہ آیتوں کے بعد بارھویں آیت میں

مہربانی فرمائیے گا ۔ حضور پُر نور نے وہاں موجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ وہ ایک ایک مہمان کو اپنے پاس ٹھہرانے کا بندو بست کریں ۔ ۔ ۔ اتنا قصہ بیان کرنے کے بعد مولانائے روم ، شاہ اور لشکر کے باہمی ربط و تعلق اور شاہ کے حکم پر لشکر کے لڑنے مرنے کا ذکر فرماتے ہیں ۔ پھر شاہ کو لشکر کی جان قرار دے کر روح کو پانی اور اجسام کو ندی کہتے اور حضور ﷺ کے اس قول مبارک ''الناس علیٰ دین ملوکھم'' (یعنی سربراہ اچھا تو رعایا اچھی ، سربراہ بُرا تو رعایا بُری) کی تثبیت و تصدیق میں یہ مثال لاتے ہیں کہ اگر روحِ شاہ کا پانی شیریں ہو گا تو تمام ندیوں کا پانی گوارا و خوش مزہ ہو گا ۔ اس کے بعد رجوع بقصہ ہے ۔

سب صحابہ کرامؓ نے اپنے لیے ایک ایک مہمان چن لیا ، لیکن ایک موٹی توند والا مہمان پیچھے رہ گیا جسے حضور نبی کریم اپنے ہمراہ لے گئے ۔ مولانا نے یہاں اس کافر کی انتہائی پُرخوری کا ذکر کرتے ہوئے اسے ''بو قحط'' اور اس کے اس وحشی پن کے سبب عوج[1] اور ابن غز[2]

فرمایا کہ تمہیں ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیے ۔ یہ میری انمٹ ہدایتیں اور ناقابل تردید صداقتیں نسل انسانی کے لیے بڑی عظیم الشان نصیحتیں ہیں ۔ غریب ، امیر جو نصیحت حاصل کرنا چاہیں انہیں یکساں مواقع حاصل ہیں ۔ پھر ہمارے بزرگوں نے حضرت ابن مکتوم کو حق بجانب ٹھہرانے کے لیے ان کے نابینا ہونے کا عذر پیش کیا ۔ میں نے عرض کیا کہ حضور (حضرت علامہ) یہ سن کر خوش ہوں گے کہ گفتگو سننے کا تعلق آنکھوں سے نہیں ، ان بزرگوں (مفسرین) کو چاہیے تھا کہ ان کے نابینا ہونے پر زور نہ دیتے بلکہ ان کے بہرہ ہونے پر زور دیتے'' (مجلہ نقوش جنوری ۱۹۷۹ء صفحات ۳۱۸ ، ۳۱۹ ۔

۱۔ عوج : ایک قوی ہیکل مرد جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم کے زمانے میں پیدا ہوا اور حضرت موسیٰؑ کے عہد تک زندہ تھا (حاشیہ مثنوی شریف دفتر پنجم ص ۴)

۲۔ ابن غز ، یعنی اہل قبیلہ غزان ۔ بلخ کے قریب ختلان کے ترک۔ ان کی بغاوت اور غارت گری کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راحتہ الصدور و آیتہ السرور ص ۱۷۷ ببعد ۔

ایسے القاب سے پکارا ہے ۔ وہ کم بخت کھانے وغیرہ کے علاوہ سات بکریوں کا دودھ بھی جو سب اہل بیت رسولؐ کے لیے تھا ، چڑھا گیا ۔ رات ہوئی تو وہ سونے کے لیے حجرہ میں چلا گیا ۔ جب وہ سو گیا تو کنیز نے حجرے کے دروازے کی کنڈی باہر سے چڑھا دی ۔ آدھی رات کے وقت اس پیٹو کے پیٹ میں درد اٹھا ۔ حاجت کے لیے اس نے باہر جانا چاہا لیکن دروازہ باہر سے بند تھا ۔ ہر طرح کی تدبیر آزمانے کے باوصف اس سے دروازہ نہ کھل سکا ۔ تاہم وہ تکلیف کے باوجود کسی نہ کسی طرح دوبارہ سونے میں کامیاب ہو گیا ۔ جلد ہی اس نے خواب میں خود کو ایک ویرانے میں پایا ۔ یہاں مولانا فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کے دل کے اندر ویرانی تھی اس لیے اسے خواب میں بھی ویرانہ ہی نظر آیا ۔ اب جو اسے (خواب میں) ایک ویران جگہ نظر آئی تو اس نے ، اپنے خیال کے مطابق خواب ہی میں ، اپنے پیٹ کا بوجھ ہلکا کر لیا ۔ لیکن صبح کے وقت جب بیدار ہوا تو بستر وغیرہ کو گندگی سے بھرا پایا ۔ جس سے اس پر اضطراب کی کیفیت طاری ہو گئی ۔ اس کا دل تڑپ تڑپ اٹھا کہ یہ کیسی ذلت و رسوائی نے آن گھیرا ۔ وہ پکار اٹھا کہ اس کی نیند اس کی بیداری سے بھی بدتر ثابت ہوئی ۔ وہ چلا چلا کر اپنی موت کو آواز دینے لگا ۔ بالکل اس طرح جس طرح جان کفار قبر میں تڑپتی چلاتی ہے ۔ اسے اب اس بات کا انتظار تھا کہ کب صبح ہو ، دروازہ کھلے اور وہ چپکے سے نو دو گیارہ ہو جائے :

کافران مهمان پیغمبرص شدند	وقت شام ایشان بمسجد آمدند
کامدیم ای شاه ما اینجا قُنق	ای تو مهماندار سکان افق
بینوائیم و رسیده ما ز دور	هین بیفشان بر سر ما فضل نور
رو بیارانرض کرد آن سلطان راد	دستگیر جمله شاهان و عباد
گفت ''ای یاران من قسمت کنید	که شما پُر از من و خوی منید''
آب روح شاه اگر شیرین بود	جمله جوها پر ز آب خوش شود[1]
که رعیت دین شه دارند و بس	این چنین فرمود سلطان عبس ص
هر یکی یاری رض یکی مهمان گزید	درمیان بُد یک شکم زفت عنید
جسم ضخمی داشت کس اورا نبرد	ماند در مسجد چو اندر جام درد

۱۔ ملاحظہ ہو احادیث مثنوی ص ۴۰ ، ۴۱ ۔

مصطفیٰ ؐ بردش چو وا ماند ز ہمہ | ہفت بز بُد شیردہ اندر رمہ
شد تقاضا بر تقاضا خانہ تنگ | ماند او حیران و بیدرمان و دنگ
حیلہ ای کرد و بخواب اندر خزید | خویش را در خواب در ویرانہ دید
ز انکہ ویرانہ بُد اندر خاطرش | شد بخواب اندر ہم آنجا منظرش
بانگ میزد "واثبورا واثبور" | ہمچو جان کافران در قعر گور
منتظر کہ کی شود این شب بسر | تا در آید از گشادن بانگ در
تا گریزد او چو تیری از کمان | تا نبیند ہیچکس او را چنان

اس داستان کا دوسرا حصہ حضور فخر موجودات ؐ کے خلق[1] عظیم کی ایک بے مثال جھلک کا حامل ہے۔ صبح ہوئی تو فخر انبیاء ؐ تشریف لائے۔ دست مبارک سے حجرے کا دروازہ کھولا اور ایک طرف کو چھپ گئے تاکہ وہ کافر شرمندہ نہ ہو اور یہ جانے بغیر کہ دروازہ کس نے کھولا ہے ، بھرتی سے باہر نکل جائے۔ نبی کریم ؐ یا تو دیوار کے پیچھے پنہاں ہو گئے یا دامان خدا نے حضور کو اس کی نظروں میں پوشیدہ کر دیا۔ یہاں مولانا قدرت خداوندی کی انتہا کا ذکر کرتے ہیں کہ کس طرح وہ ایسے مواقع پر نگاہ ناظر پر پردہ ڈال دیتی ہے تاکہ وہ دشمن کو اپنے پہلو میں نہ دیکھ پائے۔

حضور اکرم ؐ رات ہی سے اس کافر کے حال سے آگاہ تھے لیکن فرمان خداوندی مانع آ رہا تھا ، جس سے مقصود یہ تھا کہ اللہ جل جلالہ اسے بے راہ ہونے سے قبل ہی راہ دکھا دے اور وہ اس ذلت و رسوائی کی بنا پر قعر مذلت میں گرنے سے بچ جائے۔ البتہ یہ جو کچھ ہوا اس میں یہ

۱۔ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری (آٹھویں صدی ہجری کے مشہور صوفی جن کا تعلق صوبہ بہار سے تھا) اپنے ایک خط میں حضور نبی کریم ؐ کے معمولات زندگی اور اسوۂ حسنہ و خلق عظیم کے بارے میں لکھتے ہوئے آخر میں رقمطراز ہیں "اگر حضور صلعم کے پاس کوئی معجزہ نہ بھی ہوتا تو بھی حضور صلعم کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ ہی حضور صلعم کی نبوت کے شاہد کافی ہوتے۔ چنانچہ بہت سے مُدعیوں اور متکبروں نے حضور صلعم کو دیکھتے ہی کہا تھا کہ لیس ھذا وجۃ الکذابین ، اور بغیر کسی معجزہ و دلیل کے فوراً ایمان لے آئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے" (دربار ملی ، اردو ترجمہ از خواجہ عبدالحمید یزدانی ، ص ۱۶۵۔

حکمت پوشیدہ تھی کہ وہ ذرا خود کو اس حالت میں دیکھ لے ۔ آگے چل کر اس داستان کا جو نتیجہ نکلتا ہے وہ مولانا نے یہاں بیان کر دیا ہے اور وہ یہ کہ اس قسم کے واقعات اکثر عداوتوں کو محبت میں اور خرابیوں کو تعمیر میں بدل دیتے ہیں ۔

غرض جب کافر نے دروازہ کھلا پایا تو چپکے سے باہر کو کھسک گیا ۔ ادھر کوئی صاحب دانستہ حجرے سے گندگی بھری چادر حضورؐ کی خدمت میں اٹھا لائے کہ حضورؐ ذرا اپنے مہمان کے کرتوت تو ملاحظہ فرمائیں ۔ رحمۃ للعالمین یہ دیکھ کر مسکرا دیئے ۔ پھر فرمایا ، تم ذرا آفتابہ لے آؤ میں خود ہی اسے دھو ڈالتا ہوں ۔ وہاں موجود تمام صحابہ کرامؓ نے حضور سرور دو عالم کی بلائیں لیتے ہوئے عرض کیا کہ ہم کس لیے ہیں ، حضورؐ ادھر تشریف فرمائیں ہم اس گندگی کو صاف کیے دیتے ہیں ۔ ۔ ۔ مولانا نے صحابہؓ کی زبانی ، ان کے ہاتھوں اس کام کے انجام پانے کو "کار دست" اور حضورؐ کے دست مبارک سے انجام پانے کو کار "جان و دل" کہا ہے ۔ ۔ ۔ صحابہؓ نے سرور کائناتؐ کی جان پاک کی قسم کھاتے اور حضورؐ کے علو مرتبہ اور عظمت کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہماری زندگی کا مقصد ہی حضورؐ کی خدمت ہے ، تو جب حضورؐ خود ہی کام انجام دیں گے تو ہم کس کام کے ۔ سید البشرؐ نے جواب میں فرمایا کہ مجھے اس کا علم ہے لیکن اس وقت میرے ہاتھوں اس کام کے ہونے میں حکمت ربی پوشیدہ ہے ۔ حضورؐ کے اس بیان صداقت نشان پر صحابہ کرامؓ اب اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں کیا بھید ظاہر ہوتا ہے ۔ چنانچہ سرور کائنات نے حکم ایزدی کے مطابق ، کسی دکھاوے کے بغیر ، بڑی سنجیدگی سے چادر دھونا شروع کر دی اس لیے کہ حضورؐ کا قلب مبارک اس کام کے لیے کہہ رہا تھا اور اس میں پوشیدہ تہ در تہ حکمت کی نشان دہی کر رہا تھا :

مصطفٰیؐ صبح آمد و در را گشاد — صبح آن گمراہ را او راہ داد
در گشاد و گشت پنہان مصطفٰیؐ — تا نگردد شرمسار آن مبتلا
صبغتہ اللہ گاہ پوشیدہ کند — پردۂ بیچون بر آن ناظر تند ۔ ۔ ۔[1]

۱۔ اشارہ ہے سورۃ الحجر کی آیہ ۷۲ کی طرف ، جس میں حضرت لوط کے آسمانی مہمانوں کے ساتھ قوم لوط کے رویے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے ۔

تا نبیند خصم را پهلوی خویش — قدرت قادر ازین بیش است بیش
مصطفیٰؐ میدید احوال شبش — لیک مانع بود فرمان ربش
تا که پیش از خبط بگشاید رهی — تا نیفتد ز آن فضیحت در چهی
بس عداوتها که آن یاری شود — بس خرابیها که معماری بود
چونکه کافر باب را بکشاده دید — نرم نرمک از کمین بیرون رسید
جامه خواب پر حدث را یک فضول — قاصداً آورد در پیش رسولؐ
کاین چنین کرده است سهمانت ببین — خندهٔ زد رحمة للعالمین
که بیاور مطهره اینجا بپیش — تا بشویم جمله را با دست خویش
هر کسی می جست کز بهر خدا — جان ما و جسم قربان ترا
تا بشویم این حدث را توؐ بهل — کاردستست این نه کارجان ودل
ای لعمرک مر ترا حق عمر خواند — پس خلیفه کرد و بر کرسی نشاند
ما برای خدمت تو می زئیم — چون تو خدمت میکنی پس ما کئیم
گفت میدانم ولیک این ساعتیست — کاندرین شستن بخویشم حکمتی است"
منتظر بودند کاین قول نبیؐ است — تا پدید آید که این اسرار چیست
او بجد می شست آن احداث را — خاص ز امر حق نه تقلید و ریا
که دلش میگفت توؐ این را بشو — کاندر اینجا هست حکمت تو بتو

قصہ ابھی جاری ہے ۔ مہمان جا چکا ہے ۔ سرور کائناتؐ ، گندگی سے آلودہ چادر دست مبارک سے دھو رہے ہیں ۔ مہمان حجرے میں اپنی کوئی قیمتی چیز بھول گیا تھا ، جسے وہ حرص کے سبب ہر صورت حاصل کرنے کے لیے اپنی سابقہ ندامت و پشیمانی بھول جاتا اور پھر حجرے کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کا یہی رجوع آگے چل کر مذکورہ حکمت کے ظاہر ہونے کا سبب بنتا ہے ۔

تو جب بھولے ہوئے ہیکل کے حصول کے لیے وہ واپس مڑا تو وہاں اسے ایسا منظر آیا جس نے اس کی دنیا ہی بدل ڈالی ۔ حضور فخر موجودات خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے دست مبارک سے ، جسے مولانا "دست خدا" کہتے ہیں ، مذکورہ آلودگی دھو رہے تھے ۔ کافر کو اپنا ہیکل ویکل سب بھول گیا ۔ فرطِ جوش سے وہ دیوانہ ہو گیا ۔ اس نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا ،

کبھی وہ چہرے اور سر کو دو ہتھڑ سے پیٹتا تو کبھی در و دیوار سے ٹکریں مارتا ۔ یہاں تک کہ اس کے سر اور ناک سے خون بہہ نکلا ۔ رحمۃ للعالمین کو اس کی اس حالت پر بڑا رحم آیا ۔ صحابہؓ اس کے گرد جمع ہو گئے ۔ وہ چیختا چلاتا اور لوگوں کو اپنے قریب آنے سے منع کرتا رہا ۔ کبھی وہ اپنے سر کو بے عقل قرار دے کر پیٹتا اور کبھی اپنے سینے کو بے نور کہہ کر سینہ کوبی کرنے لگتا ۔ غرض جب وہ حد سے زیادہ تڑپ اور کانپ چکا تو حضور سرور دو عالم نے اسے اپنی جانب کھینچ لیا ، اسے اچھی طرح تسلی دی اور تھپکا ۔ ۔ ۔ یہاں مولانا داستان سے اجتناب کرکے یہ کہتے ہیں کہ جب تک بادل نہ روئے (برسے) چمن نہیں کھلتا اور جب تک بچہ نہ روئے ماں کا دودھ جوش نہیں مارتا ۔ پھر اللہ جل شانہ کے حضور گریہ و زاری کی قدر و اہمیت اور اس کی بدولت رحمت خداوندی کے جوش میں آنے کا ذکر کرتے ہیں :

کان یداللہ آن حدث با دست خود خوش ھمی شوید کہ دورش چشم بد
چون ز حد بیرون بلرزید و طپید مصطفیٰؐ اش در کنار خود کشید
ساکنش کرد و بسی بنواختش دیدہ اش داد و بداد اشناختش
تا نگرید ابر کے خندد چمن تا نگرید طفل کے جوشد[1] لبن

داستان کے اگلے حصے میں پھر حضور سیدالبشرؐ کے اس مہمان کو نوازنے ، تسکین دینے ، ندامت و اضطراب سے نجات دلانے اور اس کے مسلمان ہونے کا تذکرہ ہے ۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا رحمۃ للعالمینؐ کو آلودہ چادر دھوتے دیکھ کر مہمان کی بری حالت ہوئی تھی ، وہ گویا دیوانہ ہو گیا تھا اور اس کی عقل جاتی رہی تھی ۔ آخر دست عقل مصطفیٰؐ اسے اس حالت سے باہر نکال لایا ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس طرف آؤ ، تو وہ اس طرح آیا جیسے کوئی گہری نیند سے بیدار ہو ۔ حضورؐ نے اسے اپنے آپ میں آنے کو فرمایا کیونکہ اس سے بہت سے کام لیے جانے تھے ۔ فخر موجوداتؐ نے اس کے چہرے پر پانی چھڑکا ، جس سے وہ ہوش میں آ گیا اور بولا کہ یا حضرتؐ

۱۔ کتاب مثنوی میں ''نو شد'' ہے ۔ اس کا مطلب ہو گا کہ جب تک بچہ نہ روئے اسے پینے کو دودھ کیونکر ملے گا ۔

مجھے کلمۂ شہادت پڑھائیے تاکہ میں یہ گواہی دے کر چلتا بنوں ، کیونکہ زندگی سے اب کوئی دلچسپی نہیں رہی ۔ ۔ ۔ شہادت و گواہی کا ذکر آنے پر مولانا اب اسی موضوع کو زیر بحث لائے ہیں اور اس طرح کہانی ایک مرتبہ پھر معرض التوا میں جا پڑی ہے :

این سخن پایان ندارد ، آن عرب
ماند از الطاف آن شہ در عجبؐ
خواست دیوانہ شدن عقلش رمید
دست عقل مصطفیٰؐ بازش کشید
گفت ''این سو آ'' بیامد آنچنان
کہ کسی بر خیزد از خواب گران
گفتؐ اینسو آ مکن ہین با خود آ
کاندرین سو ہست باتو کار ہا''
آب بر رو زد در آمد در سخن
''کای شہید حق شہادت عرضہ کن
تا گواہی بدہم و بیرون شوم
سیرم از ہستی در آن ہامون شوم''
ما در این دہلیز قاضی قضا
بہر دعوی الستیم و بلیٰ''[۱]

داستان کے آخری حصے کے مطابق وہ مہمان ختم المرسلینؐ کے فرمانے پر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا ہے ۔ جس پر حضورؐ اسے اس رات پھر مہمان کے طور پر رہنے کا فرماتے ہیں ۔ وہ عرض کرتا ہے کہ حضورؐ ! واللہ میں اب تا ابد حضورؐ ہی کا مہمان ہوں خواہ کہیں رہوں اور کہیں بھی جاؤں ۔ میں حضورؐ کا زلہ و آزاد کردہ غلام اور دربان ہوں ۔ دونوں عالم حضورؐ کے زلہ ربا ہیں ۔ ۔ ۔ یہاں گویا مہمان کی زبانی مختلف تشبیہات و تمثیلات سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضورؐ سرور کائنات سے ہٹ کر

۱۔ اشارہ ہے مضمون روز الست کی طرف : ''الست بربکم قالو بلیٰ'' (تمام مخلوقات سے جب خدا نے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے کہا ہاں ۔ اور یہ دنیا جائے امتحان ہے ۔ حاشیہ مثنوی شریف دفتر پنجم ، ص ٦) ۔

کسی اور کا دامن تھامنے والے کے مقدر میں ہلاکت و تباہی کے سوا کچھ نہیں ، شیطان ایسے شخص کا دوست اور ابلیس اس کا ہمسفر ہو گا ۔ پھر قرآنی[۱] حوالے سے ایسے لوگوں کے اموال و اولاد میں شیطان کی شراکت کا ذکر کیا گیا ہے ۔

اب پھر حضور رسالت مآب ؐ کی رسالت کاملہ و بیضا کا ذکر ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ جو کچھ سلوک حضور ؐ نے فرمایا وہ سینکڑوں مائیں بھی نہ کر سکیں ، حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ ؑ کا معجزہ مسیحائی بھی اس کے آگے ہیچ ہو گیا ۔ حضرت عیسیٰ کا زندہ کردہ انسان تو دوبارہ مر گیا لیکن جس پر ایک مرتبہ سرور کونین ؐ کی نظر کرم پڑ گئی موت اس سے ہمیشہ کے لیے دور بھاگ گئی ۔ ۔ ۔ اس کے بعد اس عرب کے دوبارہ مہمان حضور اکرم ؐ بننے اور اس مرتبہ تھوڑے ہی دودھ اور روٹی وغیرہ کھا کر سیر ہو جانے اور اس پر تمام اہلبیت کے متعجب ہونے کا بیان ہے ، کہ کس طرح معمولی سی خوراک سے اس پیلتن کا پیٹ بھر گیا ۔ در اصل یہ سب ایمان کی برکت تھی کہ اس کا تمام حرص اور وہم کافری جاتا رہا اور اس کی کافرانہ گدا چشمی غذائے ایمانی سے سیر ہو گئی اور اس جوع البقر سے جس کا وہ شکار تھا ، اسے اسی ایمان کی بدولت نہ صرف رہائی ملی بلکہ حضرت مریم ؑ کی مانند وہ میوۂ جنت سے بھی شاد کام ہوا :

۱۔ سورۂ بنی اسرائیل آیات ۶۲ — ۶۴ ، شیطان کو جب سجدہ کے لیے کہا گیا تو اس نے کہا کیا ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے ۔ کہنے لگا کہ اس شخص (آدم) کو جو آپ نے مجھ پر فوقیت دی ہے تو بھلا بتائیے تو ، خیر اگر آپ نے مجھ کو قیامت کے زمانہ تک مہلت دیدی تو میں (بھی) بجز قدرے قلیل لوگوں کے اس کی تمام اولاد کو اپنے بس میں کروں گا ۔ ارشاد ہوا جا جو شخص ان میں سے تیرے ساتھ ہولے گا سو تم سب کی سزا جہنم ہے سزا پوری ۔ اور ان میں سے جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لانا اور ان کے مال اور اولاد میں اپنا ساجھا کر لینا اور ان سے وعدہ کرنا ، اور شیطان ان لوگوں سے بالکل جھوٹے وعدہ کرتا ہے ۔

این سخن پایان ندارد مصطفیٰؐ
عرضه کرد ایمان و پذرفت آنفتیٰ
آن شهادت را که فرخ بوده است
بندهای بسته رابگشوده است
گشت مومن گفت او را مصطفیٰؐ
"کامشبِ دیگر تو شو مهان ماؐ"
گفت والله تا ابد ضیف توؐ ام
هر کجا باشم بهر جا که روم
زنده کرده و معتق و دربان توؐ
اینجهان و آنجهان بر خوان توؐ
گفت پیغمبرؐ ز غیب این را جلی
در مقالات نوادر با علیؓ
با رسولؐ الله رسالت را تمام
تو نمودی همچو شمس بی غمام
آنچه توؐ کردی دو صد مادر نکرد
عیسی و افسونش با عاذر نکرد
در عجب ماندند جمله اهل بیت
پر شد این قندیل ز آن یک قطره زیت

مولانا "چشم بد اور خود انسان کی اپنی "چشم پسند" کے ضرر کے بیان میں حضورؐ سید البشرؐ سے متعلق ایک قرآنی تلمیح لاتے ہیں ۔ اس حصے میں حضورؐ کو احمد اور رسول اللہ کے القاب سے یاد کیا گیا ہے ۔

سورۃ القلم (آیات ۵۱ ، ۵۲) میں ارشاد ہوا ہے : اور یہ کافر جب قرآن سنتے ہیں تو (شدت عداوت سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپؐ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے[۱] ، اور کہتے ہیں کہ یہ مجنوں ہیں حالانکہ یہ قرآن (جس کے ساتھ آپؐ تکلم فرماتے ہیں) تمام جہان کے واسطے نصیحت ہے ۔ مولانائے رومؒ نگاہوں کے اس حوالے سے کہتے ہیں کہ کوئی چشم بد کسی انسان کو اتنا ضرر نہیں پہنچاتی جتنا خود اس شخص کی اپنی چشم پسند اسے پہنچاتی ہے ۔ ۔ ۔ اس بنا پر وہ طاؤس کے

۱۔ نظر سے متعلق یہ ایک محاورہ ہے ۔

خوبصورت پروں اور بد صورت پاؤں کی مثال دے کر اس امر کی تلقین کرتے ہیں کہ اپنی خوبیوں پر اترانے کی بجائے اپنی برائیوں کو پیش نظر رکھو تا کہ کوئی نظر بد تمہاری گھات میں نہ لگ جائے۔ بری نظر ایسی ظالم چیز ہے جو پہاڑ کو بھی اپنی جگہ سے ہلا دیتی ہے۔ یہاں مولانا سورۂ القلم کی مذکورہ آیت کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ حضورؐ ایسی ہی نظر کے سبب بالکل خشک راستے میں پھسل گئے تھے۔ حضورؐ اس لغزش پر بڑے متعجب ہوئے تھے۔ حضورؐ کے نزدیک اس کا کوئی سبب ضرور تھا۔ تا آنکہ مذکورہ آیت نازل ہوئی جس سے حضورؐ کو آگاہی ہوئی کہ یہ سب نظر بد کے باعث تھا، اور حضورؐ کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اس نظر نے اسے فنا کر دیا تھا۔ عصمت، حضورؐ کے آڑے آئی اور حضورؐ محفوظ رہے۔ یہ لغزش صرف نشانی کے طور پر تھی۔ اب مولانا قاری سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تمہارے لیے یہ باعث عبرت ہے، حضورؐ ایسی عظیم ہستی اس نظر کا شکار ہو گئی تو تمہاری حیثیت ہی کچھ نہیں کس برتے پر اتراتے ہو عرض ہنر سے باز رہو۔

اس کے بعد خطاب بہ سرور کونینؐ بعض لوگوں کی نظر ہائے بد کے انتہائی برے اثرات کا ذکر ہے۔ پھر اس (نظر بد) کا توڑ چشم نیکو، یعنی رحمت و شفقت میں بتایا گیا ہے، کہ اسی کو سبقت و فضیلت حاصل ہے؛ جبکہ چشم بد، قہر اور لعنت کی پیداوار ہے اور رحمت ہی کی بدولت تمام انبیا علیہم السلام غالب رہے:

پر طاؤست مبین و پای بین
تا کہ سوءالعین نگشاید کمین
کہ بلغزد کوہ از چشم بدان
''یز لقونک'' از نبیؐ بر خوان، بدان
احمدؐ[1] چون کوہ لغزید از نظر
درمیان راہ بی گل بی مطر

۱- کتاب مثنوی، مثنوی شریف اور مثنوی معنوی (مرتبہ نکلسن تہران) تینوں میں یہ مصراع اسی طرح ہے۔ احمدؐ کے الف کو کھینچ کے پڑھا جائیگا۔ مثنوی میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

در عجب درماند کاین لغزش ز چیست
من نپندارم کہ این حالت تہیست
معنی چشم بد آخر باز دان
"آن یکاد" از چشم بد نیکو بخوان
لیک آمد عصمتی دامن کشان
وین کہ لغزیدی بُد از بہر نشان
عبرتی گیر ، اندر آن کُہ کن نگاہ
برگ خود عرضہ مکن ای کم ز کاہ
یا رسولؐ اللہ در آن وادی کسان
میزنند از چشم بد بر کرگسان
چشم نیکو شد دوای چشم بد
چشم بد را لا کند زیر لگد
سبق رحمت راست وین از رحمتست
چشم بد محصول قہر و لعنت است
رحمتش بر لقمتش غالب بود
چیرہ ز آن شد ہر نبی برخصم خود

ایک جگہ حدیث مبارک "ماامات من مات[1] - - - - الخ" کا گویا آزاد ترجمہ کرتے ہوئے حضور اکرمؐ کو "رسول نیکو" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے - اس میں بتایا گیا ہے کہ ہر مرنے والے کو اپنی دوسرے عالم میں منتقلی کا نہیں بلکہ تقصیر اعمال اور فوت عبادات کا افسوس ہوتا ہے ، کیونکہ اس وقت سے پہلے ہی اسے اس انتقال کی خواہش ہوتی ہے - جس کا سبب یہ ہے کہ اگر وہ ایک برا انسان تھا تو جلد مر جانے کی صورت میں اس کی برائیاں کم رہیں گی اور اگر نیک و متقی ہے تو اپنی صحیح منزل کو جلد پہنچ گیا - 'برا شخص خود کو بے خبر قرار دیتا اور ہر لمحہ اپنے راستے کی رکاوٹوں میں اضافہ کرنے پر متأسف ہوتا ہے - اس دنیا سے

۱- ہر مرنے والا یہ ضرور تمنا کرے گا کہ وہ پہلے مر جاتا اگر وہ نیک ہے تو اس لیے کہ جلد بھلائی تک پہنچ جاتا ، اگر بد ہے تو اس لیے کہ اس کی بدکاری کم ہوتی (مثنوی معنوی ، چاپ اسلام آباد ، دفتر پنجم ص ۷۰) -

جلد کوچ کرنے کی صورت میں ان رکاوٹوں میں کمی واقع ہوتی ، لیکن حرص و آز کے باعث وہ قناعت پر مائل نہ ہوا اور تکبر کی بنا پر عجز و انکسار سے دور رہا ۔ اسی طرح بخل نے اسے جود و سخاوت کی طرف نہ آنے دیا اور اپنی ابلیسیت کے سبب حامل سجدہ پیشانی سے محرومی اس کا مقدر بنی :

ز آن بفرموده است آن نیکو رسولؐ
کہ ہر آنکہ مردہ کرد از تن نزول
نبود او را حسرت نقلان و موت
لیک باشد حسرت تقصیر و فوت
ہر کہ میرد خود تمنا باشدش
کہ بدی زین پیش نقل و مقصدش
گر بدی بد تا بدی کمتر بدی
ور تقی تا خانہ زوتر آمدی

بقائے حق میں فنا ہونے والے اپنے شر اور ہنر سے محفوظ و مامون ہو جاتے ہیں ۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا نے حضور فخر موجوداتؐ کی حدیث مبارکہ "الفقر فخری" سے استفادہ کیا ہے ۔

اس سے قبل مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کسی شخص سے گریزاں ہو تو اس سے کٹ کر اسے قرار آ جاتا ہے ۔ لیکن جب انسان کا خود اپنا سایہ اس کا دشمن ہو تو اسے سکون و قرار کا آنا معلوم ۔ لفظ 'سایہ' سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مولانا نے مذکورہ حدیث کی طرف رجوع کیا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ جب انسان فقر کو اپنا لیتا ہے تو حضور نبی کریمؐ کی مانند 'بے سایہ' ہو جاتا ہے ۔ مولانا فنا بحق کو صاحب فقر کے لیے آرائش قرار دیتے ۔ اور شعلۂ شمع کی طرح سایہ سے بری بتاتے ہیں ۔ شمع از سرتا پا شعلہ بن جاتی ہے لیکن سایہ اس کے قریب بھی پھٹکنے نہیں پاتا ۔ اس کے بعد مولانا نے موم اور شمع کے حوالے سے فنا اور شعاع فانی و شعاع باقی ، جو شمع جان سے ظہور پذیر ہوتی ہے ، ایسے موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے ۔ اس دوران میں ابر کا ذکر آ گیا ہے تو مولانا کا دھیان سرور کائناتؐ کے ایک معجزے کی طرف چلا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ایک موقع پر بارش کے باوصف حضورؐ کا جامۂ اقدس تر نہ ہوا

تھا ۔[1] پھر عہد حضرت موسیٰؑ سے متعلق حضرت خضر کے کشتی توڑنے کی تلمیح پیش کی گئی ہے ۔ یہاں ایک مرتبہ پھر مذکورہ حدیث کا ذکر کرکے مولانا کہتے ہیں کہ حضورؐ نے جو یہ فرمایا تو اس لیے کہ تم غنا اختیار کرکے حریصوں سے دور رہو ۔ اس بات کو خزانے اور ویرانے کی تمثیل سے واضح کیا ہے ۔ کہتے ہیں کہ خزانے کو اس لیے ویرانے میں چھپا کر رکھتے ہیں تاکہ وہ اہل آبادی کے حرص اور دستبرد سے مصون و مامون رہے ۔

اس حصے سے پہلے مولانا نے طاؤس اور اس کے خوبصورت پروں کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے اسے صیاد کے ہاتھوں مصیبت اٹھانا پڑتی ہے ۔ مولانا کا کہنا ہے کہ اگر ان پروں کو نوچ ڈالا جائے تو حریصوں سے نجات مل جائے ، دوسرے لفظوں میں فقر اختیار کرنا باعث راحت و نجات ہے ۔ سو اگر تم اپنے یہ پر (مادی بندھن ، ما سوی اللہ) نہیں نوچ سکتے تو خلوت و گوشہ نشینی اختیار کرو تاکہ دوسروں کا لقمہ بننے سے محفوظ رہ سکو ، کیونکہ تم لقمہ بھی ہو اور لقمہ خوار بھی ، اس لیے ذرا ہوشیار رہو ۔ مولانا نے اس موضوع ــــــ اس دنیا میں ہر زندہ ہستی صید بھی ہے اور صیاد بھی ــــــ کو ایک پرندے اور کیڑے کی تمثیل سے واضح کیا ہے، یعنی پرندہ کیڑے کے پیچھے لگا ہوا ہے اور شکاری پرندے کے درپے ہے :

چون فناش از فقر پیرایہ شود
او محمد وار بی سایہ شود
فقر فخری را فنا پیرایہ شد
چون زبانہ شمع او بی سایہ شد
شمع شد جملہ زبانہ پا و سر
سایہ را نبود بگرد او گذر
معجزۂ پیغمبریؐ بود آن سقا
گشتہ ابر از لطف همرنگ سما
گشتہ ریزان قطرہ قطرہ از سما
گفتہ آمد شرح آن در ماجرا

۱۔ دفتر اول میں بھی اس کا ذکر آیا ہے ۔

گنجہا را در خرابی ز آن نہند
تا ز حرص اہل عمران وارہند
پر نتانی کند رو خلوت گزین
تا نگردی جملہ خرج آن و این
ز انکہ تو ہم لقمہ ای ہم لقمہ خوار
آکل و ما کولی ای جان ہوشدار

حضورﷺ رحمۃ للعالمین کی ایک حدیث کے معانی بیان کرتے ہوئے حضورﷺ کو پیغمبرﷺ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

حضورﷺ اکرم کا ارشاد ہے کہ تین قسم کے اشخاص قابل رحم ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنی قوم میں سرداری و اقتدار رکھتا تھا لیکن انقلاب روزگار کے ہاتھوں وہ ذلیل ہو گیا۔ دوسرا وہ جو کبھی امیر تھا لیکن اب افلاس میں گرفتار ہے۔ تیسرا وہ عالم جو جاہلوں میں گھر گیا اور علم کے قدر ناشناس اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔[۱] مولانا اس حدیث کا ترجمہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ عزت کے بعد ذلت سے دو چار ہونا ایسا ہی ہے جیسے جسم سے کوئی عضو کٹ جائے۔ ایسا عضو کٹنے کے بعد تھوڑی دیر تک تو ضرور حرکت کرتا ہے لیکن پھر بے حس اور مردہ ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے مولانا اپنے خیالات کا رخ جام الست کی طرف موڑتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”عام طور پر نوع انسان کی بھی یہی حالت ہے۔ ابن آدم احسنِ تقویم سے اسفل السافلین میں گرا ہے مگر بعض اہل بصیرت ایسے ہیں جن کو اپنا مقام پیشین فراموش نہیں ہوا وہ بیتاب اور اپنی اصل کی طرف عود کرنے میں کوشاں ہیں۔ ان کو اپنی مسجودِ ملائک ہونے کی حیثیت یاد ہے۔ آدم اپنی اصل حیثیت اور ماہیت میں نیابت الٰہی میں سردار عالم بھی تھا، غنی بھی تھا اور علم آدم الاسماء کی بدولت عالم بھی تھا۔ اب وہ تینوں حیثیتوں سے گر گیا ہے۔ جن کو اپنی اصلیت یاد ہے ان کے متعلق یہ درست ہے:

ہر کسی کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

۱۔ تشبیہات رومی ص ۳۹۳۔

(کل شیئی یرجع الی اصلہ) - اپنی ماہیت میں انسان ذات الٰہی سے اس طرح وابستہ تھا جس طرح شاخ ، شجر کے تنے اور اس کی جڑوں سے وابستہ ہوتی ہے - - - - جو لوگ درجۂ اسفل میں آسودۂ خواری ہو گئے ہیں ان کی حالت ان کتوں کی سی ہے جن کو مردہ گوشت لذیذ طعام معلوم ہوتا ہے (الدنیا جیفة و طالبھا کلاب)[1] :

گفت پیغمبرؐ کہ "رحم آرید بر
حال من کان غنیاً فافتقر
والذی کان عزیزاً فاحتقر
او صفیاً عالماً بین المضر
گفت پیغمبرؐ کہ بر این سہ گروہ
رحم آرید ار ز سنگید ار ز کوہ
ہر کہ از جام الست او خورد پار
ہستش امسال آفت رنج خمار
وانکہ چون سگ ز اصل گھدائی بود
کی مر او را حرص سلطانی بود
توبہ او جوید کہ کردہ است او گناہ
آہ او گوید کہ گم کردہ است راہ

اس حصے کے ساتھ ہی دنیا میں مومن اور اہل دنیا کے ایک دوسرے کی ضد ہونے سے متعلق ایک ہرن کی تمثیل بیان ہوئی ہے جسے ایک شکاری گدھوں کے طویلے میں بند کر دیتا ہے - اسی ضمن میں حدیث رسول پاک "الاسلام بدا غریباً و سیعود کما بدا غریباً فطوبی للغرباء[2] کے معانی بیان کئے گئے ہیں -

بقولِ مولانا بندگان شہوات کے درمیان مومن کی مثال کچھ اس طرح ہے جیسے کوئی شکاری کسی ہرن کو پکڑ لائے اور اسے گدھوں وغیرہ کے طویلے میں بند کر دے ، جہاں دھول مٹی ، گھاس پھوس اور بد بو ہو - ہرن وحشت کا مارا کبھی ادھر بھاگ اٹھتا ہے تو کبھی اُدھر ، کہ اس

۱- تشبیہات رومی ، صفحات ۹۳م ، ۹۴م -

۲- اسلام دنیا میں آیا تو اجنبی تھا اور آخر میں بھی اجنبی ہو جائے گا - مبارک ہو ایسے کس مپرس اجنبیوں کے لیے -

کی غذا اور فضا گدھوں بیلوں کی غذا اور فضا سے بالکل الگ ہے ۔ کہانی کا پہلا حصہ یہاں ختم ہو جاتا ہے ، جس کا نتیجہ مولانا یہ نکالتے ہیں کہ جب کسی کو اس کے مخالف طبع لوگوں میں رکھا جاتا ہے تو اس کے لیے وہ اذیت ، موت کی اذیت سے کم نہیں ہوتی ۔ پھر مولانا ، حضرت سلیمان کے دربار میں ھدھد کی آمد میں تاخیر اور حضرت سلیمانؑ کے ناراض ہونے اور عذر نہ لانے کی صورت میں اسے سزا دینے کے خیال سے متعلق قرآنی تلمیح[1] پیش کرکے فرماتے ہیں کہ جانتے ہو وہ عذاب و سزا کیا ہے ، وہ اپنے کسی نا جنس کے ساتھ قفس میں بند ہونا ہے ۔ یہ گویا مثال تھی اور اصل معاملہ یہ ہے کہ انسانی جسم میں روح کو نا جنس کے ساتھ محبوس کر دیا گیا ہے ، جو اس کے لیے بہت بڑی عقوبت ہے ۔ یوں سمجھو روح ایک باز ہے ، جو طبائع یعنی اجسام کے کووں میں گھرا ہوا اور عذاب و شکنجہ کا شکار ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد محمد خوارزم شاہ کی ایک داستان بیان ہوئی ہے ۔

سید و سرور کونینؐ کی حدیث مبارکہ ”لا بد من قرین یدفن ۔ ۔ ۔ الخ[2]“ کے معانی بیان کرتے ہوئے حضور ختمی مرتبت کو پیغمبرؐ کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے ۔

اس حصے میں کسب و عمل سے بحث کرتے ہوئے استاد و مرشد کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ حضور نبی کریمؐ کا فرمان سعادت نشان ہے کہ عمل سے بڑھ کر کوئی بھی باوفا ساتھی نہیں ہے ، اور اگر یہ عمل نیک ہو تو سبحان اللہ ، تا ابد ساتھ دے گا ، لیکن برے اعمال قبر میں سانپ کی صورت میں صاحب عمل کو کاٹ کاٹ کھائیں گے ۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ کسب و عمل کی منزل استاد کی راہنمائی کے بغیر کیونکر طے کی جا سکتی ہے ۔ دنیا کے سب سے گھٹیا کام کے لیے بھی

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو القرآن ، سورۂ نمل ۔

۲۔ ایک ساتھی ضروری ہے جو تیرے ساتھ زندہ دفن ہوگا اور تو مردہ اس کے ساتھ دفن ہوگا ، تو اگر وہ شریف ہے تو تیری عزت کرے گا اور اگر کمینہ ہے تو تجھے چھوڑ بھاگے گا اور یہ ساتھی تیرا عمل ہے پس جس قدر ممکن ہو تو اس کی اصلاح کر لے (مثنوی معنوی چاپ اسلام آباد دفتر پنجم صفحات ۱۱۱ ، ۱۱۲)

استاد کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اس کی صورت پہلے علم کی ہے اور بعد میں عمل آتا ہے ، جب کہیں ایک مدت کے بعد مقصد ہاتھ لگتا ہے ۔ ۔ اس کے بعد مختلف ، بظاہر گھٹیا ، پیشوں (آہنگری ، دباغت وغیرہ) کا ذکر کرکے کہا گیا ہے کہ ان سے شان میں فرق نہیں آتا ، جس کا مطلب یہ ہے کہ سعی حصولِ کمال میں جامۂ افتخار و استکبار کو اتار دینا چاہیے ، کیونکہ خود کمال ، انسان کا بہترین لباس ہے :

پس پیمبرؐ گفت بهر این طریق
با وفاتر از عمل نبود رفیق
گر بود نیکو ابد یارت شود
ور بود بد در لحد مارت شود
وین عمل وین کسب در راه سداد
کی توان کرد ای پدر بی اوستاد
دون ترین کسبی که در عالم رود
هیچ بی ارشاد استادی بود ؟
اولش علم است آنگاهی عمل
تا دهد بر بعد مهلت تا اجل

ایک جگہ حضور اکرمؐ کی ایک حدیث کے حوالے سے روز قیامت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح اس دن ہر جسم کو اٹھنے کو کہا جائے گا اور صور کا پھونکا جانا حکم خداوندی ہوگا ذرات کے لیے کہ وہ خاک سے اٹھ کھڑے ہوں ۔ جو روح جس بدن میں تھی اسی میں واپس آ جائے گی ، بالکل اسی طرح جس طرح صبح کے وقت جسم نیند سے بیدار ہو جاتا ہے ۔ یعنی روح اپنے متعلقہ بدن میں ، یا الفاظ دیگر اپنے ویرانے میں خزانے کی مانند در آتی ہے ۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جس جسم سے روح کا تعلق ہوتا ہے اسی میں وہ حلول کرتی ہے ، یہ کبھی نہیں ہوا کہ زرگر کی روح درزی کے جسم میں سما جائے ۔ اسی طرح عالم کی روح عالم ہی کے بدن میں اور ظالم کی روح ظالم ہی کے بدن میں عود کر آتی ہے ۔ اور یہ سب علم اللہ کے سبب ہے جس نے روح کو اس عمل سے آشنا کیا ۔ آگے چل کر مولانا نے مویشیوں کی تمثیل سے اس عمل کی گویا تائید و تثبیت کی ہے ۔ پھر صبح کو حشر اصغر قرار دے کو حشر اکبر (قیامت)

کا قیاس کرنے کو کہا اور نامۂ اعمال کے داہنے اور بائیں ہاتھ میں تھمائے جانے کا ذکر کیا ہے :

در حدیث آمد کہ روز رستخیز
امر آید هر یکی تن را کہ خیز
نفخ صور امر است از یزدان پاک
کہ بر آرید ای ذرائر سر ز خاک
باز آید جان هر یک در بدن
همچو وقت صبح هوش آید بتن
جان من خود را شناسد وقت روز
در خرابۂ خود در آید چون کنوز
صبح حشر کوچکست ای مستجیر
حشر اکبر را قیاس از وی بگیر
آنچنانکہ جان بپرد سوی طین
نامہ پرد از یسار و از یمین

سلطان محمود غزنوی اور ایاز سے متعلق ایک داستان میں حضور سرورِ کائنات ؐ کی حدیث 'من عرف نفسہ' فقد عرف ربہ' کا ترجمہ پیش کرتے ہوئے حضور ؐ کو پیغمبر ؐ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے ۔

ایاز نے کسی ایک الگ حجرہ میں اپنا کچھ سامان رکھ چھوڑا تھا ۔ وہ ہر روز خاص وقت میں وہاں جاتا اور دروازہ بند کرکے کچھ دیکھتا رہتا ۔ بعض بدخواہوں نے سلطان محمود کے کان بھرے کہ ایاز نے فلاں حجرے میں خزینہ چھپا رکھا ہے اور وہ ہر روز اسے دیکھنے جاتا ہے ۔ سلطان کے حکم پر اس حجرہ کو کھولا گیا تو وہاں پڑے ہوئے ایک صندوق میں پرانے جوتوں کا ایک جوڑا اور کچھ پھٹا پرانا لباس ملا ۔ بدخواہوں کو خاصی خفت کا سامنا کرنا پڑا ۔ بادشاہ کے استفسار پر ایاز نے بتایا کہ وہ عیب جُو لوگوں سے بچ کر اپنے ماضی کو یاد کیا کرتا ہے ۔

اس کہانی کے جس حصے میں حضورِ اکرم ؐ کا ذکر آیا ہے اس میں سلطان محمود ، ایاز سے کہتا ہے کہ تم ان چغل خوروں کے بارے میں اپنا فیصلہ دو ، عفو یا مکافات ؟ کیونکہ تم جو بھی فیصلہ کرو گے ، صحیح

ہو گا ۔ یہاں مولانا امتحان و آزمایش کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اس امتحان کے ہاتھوں بڑے بڑوں کو ندامت و شرمساری اٹھانا پڑی ہے ۔ ۔ ۔ اس حصے سے قبل علم و حلم کا ذکر ہوا ہے ۔ اسی ضمن میں مولانا یہاں فرماتے ہیں کہ یہ علم صرف علم ہی نہیں ایک اتھاہ سمندر ہے اور حلم سینکڑوں پہاڑوں کے مصداق ہے ۔ ۔ ۔ اس کے بعد گویا ایاز کا قول ہے کہ سب کچھ تیرا عطا کردہ ہے ورنہ میری حیثیت تو وہی کفش و پوستین کی ہے ۔ اسی لیے سرکار دوعالم نے بشرح فرمایا ہے کہ جس نے خود کو پہچان لیا ، اس نے خدا کو پہچان لیا ۔ ۔ ۔ ۔ آگے چل کر مولانا نے اس کفش و پوستین کی تشریح فرمائی ہے ۔ ان کے مطابق انسانی نطفہ ، کفش اور اس کا خون ، پوستین ہے باقی سب کچھ عطائے الٰہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ :

کن میانِ مجرمان حکم ای ایاز
ای ایاز پاک با صد احتراز

گر دو صد بارت ، بجوشم در عمل
در کف جوشت نیابم یک دغل

ز امتحان شرمنده خلقی بیشار
امتحانها کرده ایشان شرمسار

بحر بی قعر است تنها علم نیست
کوه و صد کوهست تنها حلم نیست

گفت من دانم عطای تست این
ورنه من آن چارقم و آن پوستین

بهر این پیغمبرؐ آن را شرح ساخت
کانکه خود بشناخت یزدان را شناخت[1]

۱۔ ایضاً ص ۵۷۴ ، مثنوی شریف ص ۵/۵۶ ، احادیث مثنوی میں مذکورہ بالا حدیث اس طرح بیان ہوئی ہے ''فقد عرف نفسہ فقد عرف ربہ'' (ص ۳۴۴) لیکن ''اقبال اور مسلک تصوف'' کے مصنف نے ایک حوالے سے لکھا ہے ''ابن تیمیہ نے اس کو موضوع کہا ہے ۔ سمعانی کا بیان ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ یحییٰ بن معاذ کا قول ہے'' ۔ (ص ۱۴۸)

ایک بیمار شیر ایک لومڑی کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کسی گدھے کو گھیر لائے تا کہ وہ اسے اپنا تر نوالہ بنائے اور بچے کھچے سے وہ خود (لومڑی) لذت اندوز ہو ۔ لومڑی ایک گدھے کے پاس پہنچتی اور اپنی چرب زبانی سے اسے مرغزار کے لالچ میں اس طرف لانا چاہتی ہے ، لیکن گدھا توکل اور قناعت کی بات کرتا ہے ۔ آخر اس کی باتوں اور لالچ میں آ کر اس کے ساتھ روانہ ہو جاتا ہے ۔ گدھے اور لومڑی کے مکالموں سے آراستہ اس داستان میں کئی ایک موضوع مثلاً تقلید و تحقیق ، توکل اور قناعت وغیرہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے ۔ اس کے مختلف حصوں میں بعض آیاتِ قرآنی کے علاوہ سیدالبشرؐ کا ذکرِ سعادت پرتو بھی آ گیا ہے ۔

لومڑی جب گدھے کے پاس پہنچ کر اسے مرغزار کا لالچ دلاتی ہے تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ جو کچھ میرے مقدر میں ہے وہ مجھے یہیں مل جائے گا ۔ لومڑی واعظانہ انداز میں اسے سمجھاتی ہے کہ رزق حلال کی جستجو کرنا ہر ذی نفس کے لیے ضروری ہے ۔ اس عالم اسباب میں کسی سبب کے بغیر رزق کا ملنا معلوم ، اس لیے اس کی طلب و جستجو از بس اہم ہے ۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے کہ فضلِ خداوندی کی تلاش[1] میں رہو ، اور حضور پُرنورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ رزق کا دروازہ بند ہے اور اس دروازے پر تالے پڑے ہیں ۔ جد و جہدِ مسلسل اور کسبِ پیہم ان تالوں کی چابی ہے ۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ چابی کے بغیر یہ دروازہ کھل جائے گا تو یہ اس کی بھول ہے ۔ طلب و جستجو کے بغیر رزق کا منتظر رہنا سنتِ ایزدی کے خلاف ہے ۔ سو اگر تم کسی کنوئیں میں جا بیٹھو تو تمھیں رزق کہاں سے آئے گا :

گفت پیغمبرؐ کہ بر رزق ای فتیٰ
در فرو بستہ است و بر در قفلہا

۱- سورۂ العنکبوت ، آیہ ۱۷ : ۔ ۔ ۔ سو تم لوگ رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو (یعنی اُس سے مانگو کہ مالک رزق وہی ہے) اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔

جنبش و آمد شدِ ما و اکتساب
ہست مفتاحی بر ایں قفل و حجاب
بی کلید این در گشادن راہ نیست
بی طلب نان سنتِ اللہ نیست
گر تو بنشینی بجاہی اندرون
رزق کی آید برت ای ذو فنون

گدھا ، لومڑی کے جواب میں پھر توکل و قناعت کے حق میں دلائل لاتا اور کسب و محنت کو بے صبری اور ضعفِ توکل قرار دیتا ہے ۔ لومڑی کہتی ہے کہ جس توکل کی تم بات کرتے ہو ، اس کا وجود شاید ہی کہیں ہو اور اس میں ہر کسی کو دسترس بھی نہیں ، تو ایسی چیز کے پیچھے بھاگنا جس کا وجود نادر ہو اور جس تک ہر کسی کی رسائی نہ ہو ، سراسر حماقت و نادانی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم نے قناعت کو خزانہ قرار دیا ہے ، لیکن ہر کسی کو تو پوشیدہ خزانہ نہیں ملا کرتا ۔ اس لیے تم اپنی اوقات کو پہچانو اور اس بلند پروازی سے باز رہو ۔ ایسا نہ ہو کسی قعرِ مذلت میں گر جاؤ ۔ جب توکل کے معاملے میں تم صبر سے عاری ہو تو پھر ٹھیک ہے سعی و طلب اور جد و جہد کو اپنا شیوہ بنا لو :

گفت روبہ آن توکل نادر است — کم کسی اندر توکل ماہر است
گرد نادر گشتن از نادانی است — ہر کسی را کی رہ سلطانی است
چون قناعت را پیمبرؐ گنج گفت — ہر کسی را کی رسد گنج نہفت
حد خود بشناس و بر بالا مپر — تا نیفتی در نشیب شور و شر
جہد کن و اندر طلب سعیی نما — چون نداری در توکل صبرہا

اب پھر توکل و قناعت کے حق میں گدھے کی گفتگو اور اس ضمن میں گویا اس کی زبان سے ایک زاہد کی داستان بیان ہوئی ہے ، یہ زاہد حضور اکرم کی زبان صدق نشان سے کہیں یہ سن لیتا ہے کہ بے شک رزق اللہ ہی کی جانب سے ہے ، انسان رزق کی خواہش کرے نہ کرے اس کا رزق اس کے پاس دوڑا آتا ہے ۔ وہ اسے آزمانے اور اپنے ظن کو یقین کی شکل دینے کی خاطر پہاڑ کی کھوہ میں چلا جاتا اور ایک پتھر پر سر رکھ کر کہتا ہے کہ میں نے توکل اختیار کر لیا ہے ۔ اتفاق سے کوئی بھٹکا

ہوا قافلہ اس طرف آ نکلتا ہے ۔ اس دور افتادہ پہاڑ کی کھوہ میں ایک انسان کو سویا ہوا پا کر اہل قافلہ بڑے متعجب ہوتے ہیں ۔ خدا معلوم یہ مر چکا ہے یا ہنوز زندہ ہے ، اسے کسی شیر بھیڑیے کا بھی خوف نہیں ۔ اسی حیص بیص میں وہ لوگ آگے بڑھتے اور اسے ٹٹولنے لگتے ہیں ۔ زاہد دانستہ چپ سادھ لیتا اور ہر قسم کی جنبش و حرکت سے خود کو باز رکھتا ہے ۔ اور اس کا یہ عمل محض آزمایش کی خاطر ہوتا ہے ۔ آخر اہل قافلہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ شخص بھوک کے ہاتھوں نڈھال ہو کر یوں بے سدھ پڑا ہے ۔ چنانچہ وہ روٹی وغیرہ لا کر اس کے منہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اسے کچھ ہوش آ جائے ۔ لیکن زاہد جان بوجھ کر پوری طاقت سے دانت بھینچ لیتا ہے ، اور اس سے بھی اس کا مقصد وہی آزمائش ہوتا ہے ۔ ادھر قافلہ والے اسے بےنوا و نیم مردہ جان کر اس کے حال پر اظہار افسوس کرتے اور رحم کھاتے ہیں ۔ جب ان سے اس کے دانت نہیں کھل پاتے تو وہ چھری لا کر بڑی مشکل سے اس کے دانت کھولتے اور اس کے منہ میں شوربا ڈالتے اور زبردستی چھوٹے چھوٹے لقمے ٹھونستے ہیں ۔ مختصر یہ کہ وہ منہ کھول دیتا اور ان کے اس عمل سے اس بات کا قائل ہو جاتا ہے کہ اللہ ہی رازق ہے اور رزق اہل صبر کے پاس خود چل کر جاتا ہے ۔ رسول پاک نے جو کچھ فرمایا وہ عین حقیقت ہے :

آن یکی زاہد شنید از مصطفیٰؐ
کہ "یقین آید بجان رزق خدا
گر تو خواہی ور نخواہی رزق تو
پیش تو آید دوان از عشق تو"
از برای امتحان این مرد رفت
در بیابان نزد کوہی خفت تفت
کہ ببینم رزق چون آید بمن
تا قوی گردد مرا در رزق ظن
بعد از آن بگشاد آن مسکین دہن
گفت کردم امتحان رزق من
ہر چہ گفتست آن رسول پاک جیب
ہست حق و نیست در وی ہیچ ریب

عشق ، مولانا کا خاص موضوع ہے ۔ اس کا ذکر آتے ہی مولانا پر ایک خاص وجد و کیف طاری ہو جاتا ہے اور وہ اس عالم کیف میں اس کی اہمیت و عظمت بیان کرنے لگتے ہیں اور اس موقع پر ہر دوسری بات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں ۔ پہلے دفتر میں انہوں نے عشق کو جملہ علل کا طبیب اور افلاطون و جالینوس کہا ہے اور اس دفتر (پنجم) میں وہ اسے آفرینش کائنات کا باعث قرار دیتے ہیں ۔

ایک عاشقِ الٰہی کی داستان کے دوران میں ، جس نے محض رضائے الٰہی کی خاطر عبادت کی اور اس کے اجر میں خدا کی طرف سے پیش کردہ کونین کے خزانے قبول کرنے سے انکار کر دیا ، حدیث قدسی ''لولاک لما خلقت الافلاک'' کے معانی بیان کیے گئے ہیں ۔ اس حصے میں حضور سید البشر کا ذکر مبارک محمد کے اسم گرامی سے آیا ہے ۔ اس حصے سے پہلے بھی عشق سے بحث ہے اور خود اس حصے میں بھی ۔

مولانا فرماتے ہیں کہ عشق لا ابالی واقع ہوا ہے اس سے بچو ۔ یہ بحر کو دیگ کی طرح جوش میں لے آتا اور پہاڑ کو ریگ (ریت) کی مانند ریزہ ریزہ کر ڈالتا ہے ۔ یہ آسمان میں شگاف کر دیتا اور زمین کو جنبش میں لے آتا ہے ۔ یہ بھی عشق ہی تھا جس کی بنا پر اللہ جل جلالہ' نے حضور سرور کائناتؐ کے بارے میں ''لولاک'' فرمایا اور چونکہ حضورؐ کی ذات والا صفات عشق میں یکتا و منفرد تھی ، اسی لیے انبیاء علیہم السلام میں حضورؐ کو خاص مقام عطا ہوا ۔ ۔ ۔ اس کے بعد ربِ جلیل کے حوالے سے آفرینشِ افلاک کا سبب عشق ہی کو ٹھہرایا اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ سب کچھ اسی لیے کیا گیا تاکہ انسان علوِ عشق کو کماحقہ سمجھ اور جان سکے ۔ ۔ ۔ ۔ :

عشق جوشد بحر را مانند دیگ
عشق ساید کوہ را مانند ریگ
عشق بشکافد فلک را صد شگاف
عشق لرزاند زمین را از گزاف
با محمدؐ بود عشق پاک جفت
بہر عشق او را خدا لولاک گفت
منتہی در عشق او چون بود فرد
پس مر او را زانبیا تخصیص کرد

گر نبودی بہر ، عشق پاک را
کی وجودی دادمی افلاک را
من بدان افراشتم چرخ سنی
تا علوّ عشق را فہمی کنی

حضرت با یزید کے زمانے میں بعض مسلمانوں نے کسی آتش پرست کو دعوت اسلام دی تا کہ اس کی دنیا اور عاقبت دونوں سنور جائیں ۔ اس نے کہا ، میاں اگر تم اپنے اسلام کی بات کرتے ہو تو اس کو میرا دور سے سلام اور اگر بایزید والے اسلام کی کہتے ہو تو اس کی مجھ میں ہمت و طاقت نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ در اصل اس داستان میں کردار سے عاری گفتار کے غازی مسلمانوں کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے ۔ اس کے دوسرے حصے میں نبی کریم فخر موجودات کا ذکر سعادت اثر دو مرتبہ محمدؐ کے نام نامی سے آیا ہے ۔

اس حصے میں اس آتش پرست کی زبانی حضرت بایزید کے ایمان کی تعریف کی گئی ہے ، جو حقیقت میں بایزید سے متعلق خود مولانا کے اعلیٰ خیالات و جذبات کی عکاسی ہے ۔ انہوں نے مختلف امثال سے ان کے ایمان کی عظمت و فضیلت پر روشنی ڈالی ہے ۔ فرماتے ہیں کہ بایزید نے واقعی ایمان کی لاج رکھ لی ۔ اگر ان کے ایمان کا ایک قطرہ سمندر میں پڑ جائے تو سمندر اس میں غرق ہو جائے ، بالکل اسی طرح جس طرح ایک چنگاری پورے جنگل کو بھسم کر ڈالتی ہے یا جس طرح بادشاہ یا سپاہ کے دل میں کوئی خیال آ جائے تو وہ جنگ کرکے دشمن کو تباہ کر دیتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ پھر حضور اکرمؐ کی مثال ہے کہ ایک ستارہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صورت مبارکہ میں نمودار ہوا جس سے تمام گبر و یہود کا کفر باطل و فنا ہوگیا اور یہ خدائی تائید کا ستارہ ایسا تھا جس کی بدولت مشرق و مغرب سے کفر کا نشان مٹ گیا ۔ اب جو کوئی ایمان کی دولت سے مالا مال ہوا امان پا گیا ، اور جو ایمان سے دور رہے وہ بھی کفر کے معاملے میں شک و گمان کے اسیر ہو کر رہ گئے ، یعنی خالص کفر کہیں بھی نہ رہا :

داد جملہ داد ایمان با یزید — آفرین ہا بر چنان شاہ فرید
قطرۂ ایمانش در بحر ار رود — بحر اندر قطرہ اش غرقہ شود
ہمچو آتش ذرہ ای در بیشہ ہا — کاندر آن بیشہ شود یکسر فنا

چون خیالی در دل شه یا سپاه کرد در چالیش ایشانرا تباه
یک ستاره در محمدؐ رو نمود تا فنا شد کفر هر گبر و جهود
یک ستاره در محمدؐ شد سطرب تا فنا شد کفر جمله شرق و غرب
آنکه ایمان یافت رفت اندر امان کفرهای باقیان شد در گمان
کفر صرف اولین باری نماند یا مسلمانی و یا بیمی نشاند

حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں جب شراب حرام نہ تھی ، کسی آقا نے اپنے غلام سے شراب لانے کو کہا ۔ راستے میں ایک زاھد نے وہ شراب گرا دی ۔ امیر کو طیش آیا ، اس نے زاہد کی گوشمالی کرنا چاہی ۔ زاہد بھاگ گیا ۔ یہ داستان بیان کرنے کے دوران مولانا نے حضور رسالت مآبؐ سرکار دو جہاں سے متعلق ایک واقعہ سپرد قلم کیا ہے ۔ جس کے مطابق جب کبھی حضور نبی کریمؐ پر وحی الٰہی کے فراق کا غلبہ ہوتا تو حضورؐ خود کو پہاڑ سے نیچے گرا دینے کا عزم فرماتے ۔ یہ واقعہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ جب حضورؐ پر غار حرا میں وحی نازل ہوئی تو پھر اس کے بعد کئی دن تک وحی کا آنا رک گیا اور جبریلؑ سے ملاقات نہ ہو سکی ۔ جس کا سیدالبشرؐ کو بہت غم ہوا ۔ یہاں تک کہ کبھی حضورؐ پہاڑ کی چوٹی پر جاتے اور کبھی غار حرا کی طرف ، اور حضورؐ کا یہ ارادہ ہوتا کہ میں خود کو اوپر سے نیچے کی طرف گرا دوں ۔ اسی دوران میں ، جب رسول پاکؐ ایک پہاڑ کی طرف قدم رنجہ فرما رہے تھے ، آسمان سے ایک آواز گوش مبارک کو سنائی دی ۔ سرکار دو عالمؐ وہیں رک گئے اور اس سخت آواز کو کان لگا کر سنا[1] ۔

مولانا نے یہ واقعہ اپنے انداز میں بیان کرنے کے بعد خود کو فدا کر دینے والوں بالخصوص تن فدا کرنے والوں (دوسرے لفظوں میں مادہ پرستی سے خود کو نجات دلانے) والوں کو سراہا اور مبارک و خوش بخت قرار دیا ہے :

مصطفیٰؐ را هجر چون بفراختی خویش را از کوه می انداختی
مصطفیٰؐ ساکن شدی ز انداختن باز هجران آوریدی تاختن

۱۔ احادیث مثنوی (اردو ترجمہ) چاپ لاہور ۔ ص ۲۶۲ ۔

باز خود را سر نگون از کوہ او | می فگندی از غم و اندوہ او
باز گشتی پیش پیدا جبرئیل | کہ مکن این کہ تو شاہی بی بدیل
ھمچنین می بود تا کشف حجیب | تا بیابد آن گھر را او ز جیب
ای خنک آن کو فدا کردہ است تن | پھر آن کارزد فدای او شدن

آیہ ''ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون''[۱] کی تفسیر کے ضمن میں صرف عنوان ہی میں فخر کونین کی حدیث مبارکہ ''الدنیا جیفۃ و طالبھا کلاب'' سے استفادہ ہوا ہے لیکن اشعار میں براہ راست کہیں حضور کا ذکر خیر نہیں ہے ۔ اس حصے میں مولانا نے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے کہ عالم آخرت کا ذرہ ذرہ زندگی سے بھر پور ہے ، جبکہ یہ دنیا مردار ہے ۔ ارواح پاک کو اس دنیا میں آرام نہیں ۔ روح پاک کا مقام تو علیین اور روح نجس کا ٹھکانا دوزخ ہے . . . مولانا روح پاک کو بلبل سے اور عالم آخرت کو گلشن سے تشبیہ دیتے اور روح نجس کو کرم قرار دیتے ہیں ۔ جس کا ٹھکانا گوبر (یعنی دنیا) میں ہے ۔ اس کے بعد وہ مخموران خدا اور دنیا پرستوں (منکرین) کا مقابلہ کر کے اول الذکر کی برتری اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے لیے تو جام طہور ہے ۔ لیکن مؤخرالذکر کے مقدر میں آب شور و نفور ہے ۔ پھر وضاحت کی ہے کہ جس نے حضرت عمر رض کا عدل نہیں دیکھا اس کی نظروں میں تو حجاج بن یوسف ایسا ظالم بھی صاحب عدل ہی ہے ۔ دوسرے لفظوں میں جو کوئی اعمال حسنہ کے حسن سے آگاہ نہیں وہ اپنی جہالت کے سبب برے اعمال کو اعمال حسنہ سمجھے ہوئے ہے ۔ بعد ازاں مولانا نے مختلف تمثیلات کی وساطت سے بت پرستی کو عقل و دین کے بجین کا مظہر قرار دیا ہے :

آن جہان چون ذرہ ذرہ زندہ اند | نکتہ دانند و سخن گویندہ اند
در جہان مردہ شان آرام نیست | کاین علف جز لایق انعام نیست
ہر کرا گلشن بود بزم و وطن | کی خورد او بادہ اندر گولخن
جای روح پاک علیین بود | جای روی ہر نجس سجین بود

۱۔ سورۃالعنکبوت ، آیہ ۶۴ : اور یہ دنیوی زندگی (فی نفسہ) بجز لہو و لعب کے اور کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے ۔

جای بلبل گلبن و نسرین بود ، کرم باشد کش وطن سرگین بود
بهر مخمور خدا جام طهور بهر منکر آب شور پر نفور
هر کرا عدل عمر رض۱ ننمود دست پیش او حجاج خونی عادل است

مذکورہ بالا مقامات کے علاوہ بعض دیگر مقامات پر بھی حضور سرور کونین کا ذکر سعادت پرتو آیا ہے ۔ یا پھر حضور کی کسی حدیث کی تفسیر وغیرہ بیان ہوئی ہے ۔ ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں :

"لا رھبانیۃ فی الاسلام" کے معانی کا آغاز ان اشعار سے ہوا ہے :

بر مکن پر را و دل بر کن از او زانکه شرط این جهاد آمد عدو
چون عدو نبود جهاد آمد محال شهوت ار نبود نباشد انتثال
(کتاب مثنوی ۔ ص ۴۳۶ ، نیز احادیث مثنوی ۔ ص ۲۲۶)

درج ذیل شعر میں حضور اکرم ؐ کے معجزہ‌های شق القمر و ردالشمس کی طرف اشارہ ہے :

صدق احمد ؐ بر جمال ماه زد بلکه بر خورشید رخشان راه زد
(کتاب مثنوی : ۴۹۲ تفصیل کے لیے احادیث مثنوی ص ۲۵۱ ، ۲۵۲)

تا معیّت راست آید زانکه مرد با کسی جفتست کو را دوست کرد
گفت المرء مع محبوبه لا یفک المرء من مطلوبه
(کتاب مثنوی : ۴۰۰)

(حدیث کا مطلب ہے کہ آدمی اپنے محبوب کے ساتھ رہتا ہے ، وہ اپنے مطلوب سے جدا نہیں ہوتا) ۔

همچنان که گفت آن یار رسول ؐ چون نبی بر خواندی بر ما فصول
(مثنوی شریف دفتر ۵ ۔ ص ۸۶)

آن رسول مجتبیٰ ؐ وقت نثار خواستی از ما حضور و صد وقار

۱۔ کتاب مثنوی ۔ ص ۵۱۳ ۔ بحرالعلوم نے اس احتمال کا اظہار کیا ہے کہ حضرت عمر رض سے مراد عمر رض بن عبدالعزیز ہے ۔ (مثنوی دفتر پنجم ، ص ۶۳) ۔

ماخذ :

۱- القرآن‌الحکیم مع ترجمہ - مولانا اشرف علی تھانوی -

۲- کتاب مثنوی ، مولانا جلال‌الدین محمد بلخی رومی -
بخط سید حسن میر خانی ، ۱۳۷۱ ھ -

۳- مثنوی شریف باهتمام محمد عبدالمجید - مطبع مجیدی کانپور - ۱۳۳۲ھ

۴- مثنوی مولوی روم مع شرح حضرت بحرالعلوم نولکشور لکھنؤ -
۱۲۹۳ ھ -

۵- مثنوی معنوی ، با ترجمہ و مقدمہ و حواشی اردو ، قاضی سجاد حسین ،
مرکز تحقیقات فارسی اسلام آباد ، ۱۹۷۸ء -

۶- دورۂ کامل مثنوی ، بسعی . . . . رینولڈ الین نیکلسون ، از روی
نسخہ لیدن ، چاپ تہران ، ۱۳۳۶ شمسی -

۷- احادیث مثنوی ، بدیع‌الزمان فروزانفر ، اردو ترجمہ
ڈاکٹر محمد عبداللطیف ، پیکیجز لمیٹڈ ، لاہور ، ۱۹۷۵ء -

۸- راحۃ‌الصدور و آیۃ‌السرور ، محمد بن علی ، الراوندی بسعی
محمد اقبال ، با تصحیحات لازم توسط مجتبیٰ مینوی ، تہران ، ۱۳۳۳ش -

۹- تشبیہات رومی ، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ، لاہور ، ۱۹۵۹ء

۱۰- دربارِ ملی ، اردو ترجمہ و تعلیقات خواجہ عبدالحمید یزدانی ،
مجلس ترقی ادب لاہور ، ۱۹۶۶ء -

۱۱- فرہنگ عمید (یک جلدی) حسن عمید ، تہران ، ۱۳۴۰ش

۱۲- اقبال اور مسلک تصوف ، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ، اقبال اکادمی
لاہور ، ۱۹۷۷ء -

۱۳- مجلہ نقوش ، شمارہ ۱۲۴ سالنامہ جنوری ۱۹۷۹ء ، لاہور ۱۹۷۹ء